دینے سے محفوظ نہیں رہ سکتے تو پھر اس باب میں کسی اور پر کیوں کر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟
(ماہنامہ "برہان" دہلی۔ فروری ۱۹۵۶ء، ص ۱۲۷-۱۲۸)

اسی طرح ایک حنفی عالم نے حافظ ابن القیم کی کتاب "زاد المعاد" کا اردو ترجمہ جب اس انداز سے شائع کیا کہ حواشی میں جگہ بہ جگہ حنفیت کی پیچ میں حافظ ابن القیم کی تردید کو انہوں نے ضروری سمجھا، تو مولانا اکبر آبادی مرحوم نے اس پر حسب ذیل الفاظ میں تبصرہ رقم فرمایا۔

"..... ساتھ ہی کوئی چیز حنفی مسلک کے خلاف ہے تو اس کی تردید کر کے حنفی مسلک کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور گویا اس طرح انہوں نے خود اپنے قول "کتاب کو حنفی" کر دیا ہے (ص ۳) لیکن افسوس ہے اس سلسلے میں مصنف کے قلم کی تیز زبانی اور بے احتیاطی کا وہی عالم ہے جس کا شکوہ ہم اوپر کر چکے ہیں۔ چنانچہ ایک موقعے پر رقم طراز ہیں: "ابن قیم نے اس جگہ بلے پر کا کوا بنایا ہے"۔ (حصہ دوم ص ۲۲) یہ فقرہ صرف بطور نمونہ کے نقل کیا گیا ہے۔ ورنہ یہ انداز بیان پوری کتاب میں پھیلا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں موصوف کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ بہر حال حنفی مسلک کی تائید اور اس کی ترویج کرنا نہ علم کی خدمت ہے اور نہ دین کی"۔ ("برہان" دہلی، اپریل ۱۹۶۸ء، ص ۲۸۷)

اسی طرح مولانا عبد الرشید نعمانی کی اردو کتاب "ابن ماجہ اور علم حدیث" پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"مصنف کی رائے سے حنفیت میں ان کے شدتِ غلو کے باعث ہر جگہ اتفاق کرنا بھی ضروری نہیں ہے"۔ ("برہان" دہلی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۳۸۳)

علمائے اہلحدیث کی اہمیت اور ان کی خدمات کا اعتراف

علمائے احناف بالعموم فقہی تعصب اور حزبی جانبداری کی وجہ سے علمائے اہلحدیث کی اہمیت و حیثیت کو بھی گھٹانے میں کوشاں رہتے ہیں اور ان کی ملی و دینی خدمات کے اعتراف میں بھی بڑا تامل اور بخل کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے برعکس مولانا اکبر آبادی مرحوم نے علمائے اہل حدیث کی حیثیت و اہمیت اور ان کی خدمات کا اعتراف بھی بڑی فراخ دلی سے کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"ہندوستان میں جماعت اہلحدیث کے علماء بھی بڑی اہمیت کے مالک رہے ہیں، اور خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کی شرعی حیثیت کے بارے میں ان علمائے اسلام کی آراء

اس لیے اور بھی لائق توجہ ہے کہ اس جماعت نے ہی سب سے زیادہ سرگرمی اور جوش کے ساتھ حضرت سید احمد شہیدؒ کے زیر قیادت انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے میں حصہ لیا تھا اور اسی بنا پر انگریز انہیں بدنام کرنے کی غرض سے وہابی کہتے تھے۔"

("برہان" دہلی۔ اگست ۱۹۶۲ء، ص ۵۔ از "ہندوستان کی شرعی حیثیت")

مولانا مرحوم کی زیارت کا شرف

بدشعور سے راقم کے کانوں میں جن اکابر اہل علم کا نام پڑا اور ان کی علمی شہرت کا چرچا سنا، ان میں ایک مولانا اکبر آبادی مرحوم بھی تھے۔ پھر ان کی تصنیفات کے دیکھنے اور "برہان" کے وقتاً فوقتاً مطالعے سے ان کے ساتھ ارادت مندی بھی ہوگئی، جس میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا رہا اور ان کی زیارت کا شوق دل میں انگڑائیاں لیتا رہا تا آنکہ گزشتہ سال مارچ (۱۹۸۴ء) میں مولانا مرحوم لاہور تشریف لائے تو راقم نے مولانا حامد میاں صاحب کے مدرسے جامعہ مدنیہ (کریم پارک لاہور) میں ملاقات کا شرف حاصل کیا، وہاں کچھ دیر ان کی علمی صحبت سے بھی فیض یابی کا موقعہ ملا۔ اس ملاقات میں راقم نے حضرت مولانا سے اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ وہ ہمارے ادارے — دارالدعوۃ السلفیہ کو بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازیں، جس میں ایک بہترین علمی لائبریری بھی ہے، مولانا مرحوم نے بڑی خوش دلی سے اس دعوت کو قبول فرمایا اور دوسرے روز رات کو پروفیسر محمد اسلم صاحب اور مولانا معراج الحق صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی معیت میں تشریف لائے۔ افسوس ہے کہ راقم اس روز پہلے سے طے شدہ پروگرام کی وجہ سے کراچی چلا گیا۔ اور اس دوسری محفل کی سعادتوں سے محروم رہا۔ تاہم حضرت مولانا حسب وعدہ تشریف لائے، حضرت الاستاذ المحترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف سے ملاقات فرمائی۔ جو چار سال سے بعارضہ فالج صاحب فراش چلے آرہے ہیں اور ادارے کی لائبریری اور دیگر شعبہ جات دیکھے اور بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ خیال تھا کہ حضرت مولانا پھر کبھی پاکستان تشریف لائیں گے تو دوبارہ اچھی طرح سے انہیں دیکھنے اور ان سے استفادہ کرنے کی سعادت حاصل ہو گی، کیونکہ پہلی مختصر سی ملاقات تو ؎

روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

کا مصداق تھی۔ لیکن کسے معلوم تھا کہ وہ اب ایسے سفر پر روانہ ہونے والے ہیں جہاں سے واپسی ممکن ہی نہیں۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ دین وملت کے اس مخلص خادم کو اپنی خاص رحمتوں سے نوازے اور ان کی

(بقیہ صـ۶۹ پر)

نعتیہ شاعری کا اِنحطاطی پہلو

سلیم فاروقی

نعت اس مجموعۂ اشعار کو کہتے ہیں جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و محامد بیان کیے گئے ہوں، جب ہم نعت گو شعراء کا سراغ لگاتے ہیں تو سب سے پہلے نعت گو شاعر کی حیثیت سے جو شخصیت ہمارے سامنے آتی ہے وہ صحابیٔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے اس کے بعد عربی، فارسی، ہندی اور اردو میں لاتعداد ایسے شاعر پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی تمام تر شعری توانائی نعت لکھنے میں صرف کر دی، خاص طور پر فارسی اور اس سے کہیں زیادہ نعتیہ شاعری کا ذخیرہ ہماری اردو زبان میں موجود ہے۔ اگر آپ فی زمانہ جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ اس وقت بھی اُردو زبان میں نعتیہ شاعری کا تناسب عربی اور فارسی سے بہت زیادہ ہے۔

اُردو زبان میں جو لوگ نعت گو شاعر کی حیثیت سے مشہور و معروف ہیں ان میں غلام امام شہید، کرامت علی شہیدی محسن کاکوروی، بیدم شاہ وارثی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، حمید لکھنوی، بہزاد لکھنوی، ماہر القادری، ضیاء بدایونی درد کاکوروی، حافظ مظہر الدین، ادیب سہارنپوری، عزیز حاصل پوری کے نام اس وقت ذہن میں آتے ہیں۔ جہاں تک اقبال اور ظفر علی خاں کا تعلق ہے تو ان سربرآوردہ شاعروں نے اپنی شاعری میں نعتیہ اشعار تو بہت کہے ہیں لیکن باقاعدہ کوئی نعتیہ مجموعہ مرتب نہیں کیا اس کے باوجود ان کے نعت گو شاعر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

نعتیہ شاعری کے ضمن میں یہ بات بھی خلاف واقعہ نہیں کہ سرزمین عرب اور ایران سے زیادہ برصغیر پاک و ہند میں نعت خوانی اور نعتیہ شاعروں کا چرچا ہے، یہ واحد صنف شاعری ہے جس کی کانفرنسیں ہوتی ہیں، اکیڈمیاں قائم ہیں، اخبارات و جرائد نعتیہ شاعری کے ہر سال ربیع الاول کے موقع پر نہایت دیدہ زیب نمبر شائع کرتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ بہت سے نعت گو شاعروں

اور نعت خوانوں نے اسے اپنا روزگار و پیشہ بنایا ہے۔ خصوصاً صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے اس صنف سخن کی حوصلہ افزائی میں نمایاں حصہ لیا ہے، وہ جب کبھی ریڈیو یا ٹی وی پر کسی اہم مسئلہ پر قوم سے خطاب کرتے ہیں تو تلاوتِ قرآن حکیم کے بعد نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ضرور سنتے ہیں۔

اب اس کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ عام شاعری اور نعتیہ شاعری میں فرق کیا ہے۔ جیسا کہ آپ سب بخوبی جانتے ہیں کہ اصناف سخن میں غزل کو سب سے بلند مقام حاصل ہے فارسی اور اُردو میں معدودے چند ہی ایسے شاعر ہیں جن کے معیارِ تغزل کو درجۂ استناد حاصل ہے، غزل کا تعلق خالصتاً واردات عشق، ہجر، وصال، وغیرہ سے ہے، ظاہر ہے وصل و ہجر کی کیفیات عشق سے وابستہ ہیں اس لیے عشق غزل کی اساس و بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عشق ہے کیا؟ عشق چونکہ عربی زبان کا لفظ ہے اس لیے عربی لغت میں اس کے معنی اس بے برگ و گل بیل کے ہیں جس کا رنگ پیلا ہوتا ہے اس بیل کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ اگر اسے کسی ہرے بھرے درخت پر ڈال دیا جائے تو قانون قدرت کے مطابق بڑی تیزی سے پھیل کر اس ہرے بھرے درخت کی ساری توانائی چوس کر اسے جھاڑ جھنکاڑ بنا دیتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ پھر اگر اس درخت پر سے اس بیل کو ہٹا بھی دیا جائے تب بھی درخت اس قابل نہیں رہتا کہ اسے اچھی سے اچھی کھاد اور پانی کے ذریعہ دوبارہ نشوونما کے قابل بنایا جائے۔

عاشق عشق کا اسم فاعل ہے اور اسکا اسم مفعول (مؤنث) معشوقہ ہے۔ لیکن لطف کی بات تو یہ کہ فارسی کی طرح اردو شاعری میں بھی معشوق کے لیے تذکیر کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ ہماری عربی، فارسی اور اُردو شاعری کا عاشق اعظم قیس المعروف بہ مجنوں ہے جو لیلیٰ کے عشق میں چاک گریباں اور پابرہنہ نجد کے ریگزاروں میں ہائے لیلیٰ ہائے لیلیٰ کرتا پھرتا تھا یہ الگ بات ہے کہ واقعہ نویس اس ڈرامہ کے ہیرو کو آج تک تلاش نہ کر سکے۔

غزل کا سارا حسن محاسنِ شعری ہیں جن میں خاص طور پر تشبیہہ، استعارہ، حسن تعلیل، کنایہ، مجاز مرسل اور تلمیح ہیں، شاعروں نے وارداتِ عشق کے بیان میں کیسے کیسے زمین آسمان کے قلابے ملائے ہیں وہ ایک علیحدہ باب ہے اس وقت ہمارا موضوع نعتیہ شاعری ہے۔ غزل کی مذکورہ ہیئت ترکیبی کے بیان کے بعد آپ یہ دیکھیے کہ جس طرح غزل کی بنیاد دنیاوی عاشق و معشوق ہیں اسی طرح نعتیہ شاعری کی بنیاد عشقِ رسولؐ ہے۔ اس موقع پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ قرآن حکیم

اور احادیث مبارکہ میں کسی جگہ "لفظِ عشق" استعمال نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ پہلے نعت گو شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنی کسی نعت میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ یہ لفظ سب سے پہلے ہمیں فارسی شاعری میں نظر آتا ہے ؎

عشق اوّل در دلِ معشوق پیدا می شود

اس موقع پر ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ جب عشق کا لفظ زمانۂ قدیم سے عربی لغت میں موجود ہے تو پھر صحابیٔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے قادر الکلام نعت گو شاعر نے یہ لفظ اپنے اور رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقِ خاطر کے لیے کیوں نہ استعمال کیا؟ اس کا جواب صرف یہ ہے آنجناب اس لفظ کی معنوی خرابی سے واقف تھے اگر وہ اس کو اپنے اشعارِ نعتیہ میں استعمال کرتے تو اس کی معنوی تعبیر سے ایک عاشق کی جو شکل بنتی ہے وہ اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہوتی، خصوصاً اس سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مذہب کا تقدس باقی نہ رہتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مبین میں "حُبّ" کا لفظ استعمال کیا جس میں بڑی نفاست، لطافت اور اعتدال موجود ہے۔

اب آپ یہ غور فرمائیے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلقِ خاطر اور غیر معمولی محبت کے معاملہ میں صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر دوسرا کون ہو سکتا ہے؟ لیکن ان سیکڑوں صحابہ کرامؓ میں سے کیا کسی ایک صحابیؓ کی کوئی ایسی مثال پیش کی جا سکتی ہے کہ جس نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی مبالغہ آمیز بات کہی ہو یا آپؐ کی جدائی میں عرب کے ریگزاروں میں پابرہنہ سر پیٹتا پھرا ہو؟

صحابہ کرامؓ پر سبقت لے جانے والے ایسے "نفوسِ قدسیہ" تو صرف ایران اور ہند و پاک ہی میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اردو اور فارسی کی نعتیہ شاعری میں ایسی نعتوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جس میں نہایت گستاخانہ مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا دنیاوی حسیناؤں اور پری چہرہ دوشیزاؤں کی طرح بیان کیا گیا آپؐ کو "سراپا آفتِ دل" "رشکِ بتانِ آذری"، "لیلائے نجد"، لالہ رخسار، پری پیکر اور سرو قد تک کہا گیا ہے، شاعری میں تشبیہ کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ کسی خاص وصف میں ایک چیز کو دوسری چیز کے مثل قرار دینا لہٰذا ہمارے نعت گو شاعروں نے ایسی تشبیہیں باندھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا مثل قرار دے دیا۔ اسی طرح مبالغہ کی تعریف یہ ہے کہ کسی چیز کو اتنا بڑھا چڑھا کر بیان کرنا ہے کہ وہ جھوٹ کے مماثل ہو جائے، ہمارے نعت گو شاعروں نے اپنی نعتوں میں صنعتِ مبالغہ کو اسی طرح بیان

کیا ہے۔

رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و منصب کو سمجھنے کے لیے سب سے بڑا ذریعہ قرآن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی زبان میں اپنے رسُولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں بیان فرمائی ہیں اس لیے ہمارا یہ فرض ہے کہ جب ہم نظم یا نثر میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کریں تو اعتدال کی راہ سے نہ بھٹکیں مثلاً از روئے قرآن اللہ تعالیٰ کے تمام جلیل القدر انبیاؑ و رسل علیہم السلام عصمت و بزرگی کے بہت بلند منصب پر فائز ہیں اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مبین میں فرماتا ہے کہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ یعنی ان کے مقام و مرتبہ میں کوئی فرق نہیں لیکن پھر بھی "ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے" یعنی نبوّت و رسالت کے فرائضِ منصبی کے لحاظ سے۔ اب اگر ہم اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر انبیاؑ و رسل کے مقام و مرتبہ کو نظر انداز کر کے یہ کہیں کہ ؎

شاہِ مدینہ یثرب کے والی
سارے نبی تیرے در کے سوالی

تو رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تقابلی انداز میں تعریف خود آپؐ کی تعلیمات کے خلاف ہے احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے ماسبق کا ذکر بڑی عزت و احترام سے فرماتے تھے۔ ذرا سوچیے تو نبیوں اور پیغمبروں کو رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ کا سوالی اور حاجت مند کہنا کتنی بڑی گستاخی اور کتاب و سنّت سے ہٹی ہوئی بات ہے، کیونکہ حاجت روائی و مشکل کشائی صرف ربّ العزّت کو سزاوار ہے۔

ہماری نعتیہ شاعری میں جن عاشقانِ رسُول کا زور شور سے تذکرہ کیا جاتا ہے ان میں ایک اویس قرنی بھی ہیں جن کی یاد میں شعبان المبارک کے مہینہ میں حلوہ پکتا ہے، اس حلوہ کا افسانہ کچھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جب اویس قرنی نے یہ سنا کہ فلاں غزوہ میں رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تو انہوں نے فوراً ایک پتھر سے اپنے سارے دانت توڑ لیے.... یہ ہے عشقِ رسُول جسے بڑے فخر سے بیان کیا جاتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس غزوہ میں یہ واقعہ پیش آیا اس وقت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی تھے بلالؓ و ابوذرؓ بھی، وقاصؓ و سلمانؓ بھی اور طلحہؓ و زبیرؓ بھی لیکن ان جاں نثار صحابہ میں کوئی ایسا عاشقِ رسُول نہ تھا جو اپنا ایک دانت بھی توڑتا؟ عشقِ رسُول کا یہ مظاہرہ صرف اویس قرنی ہی کو کرنا تھا! جن لوگوں نے یہ داستان گھڑی شاید انہیں اس بات کا علم نہ تھا کہ اپنے جسم کو ایذا دینا نصِ قرآنی کے خلاف ہے اور وہ اسطرح کہ اپنی نبوت کے ابتدائی زمانہ

میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنی عبادت فرمانے لگے کہ آپؐ کے پیروں میں ورم ہو گیا (یعنی سوجن پیدا ہو گئی) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عمل سے روکا۔

نعتیہ شاعری کے ساتھ ساتھ کچھ نعتیہ قوالی کا بھی ذکر ہو جائے، آج سے تیس چالیس سال قبل تک قوالی میں زیادہ تر امیر خسرو اور جامی کی نعتیہ غزلیں پڑھی جاتی تھیں لیکن اس کے بعد جب فلمی گانوں کا رواج ہوا تو قوالی میں بھی عمومیت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ اب جو قوالیاں لکھی جا رہی ہیں وہ فلمی گانوں کی طرز پر، پھر ان میں وہ وہ خرافات بھری ہیں کہ سُن کر روح کانپتی ہے۔ مثلاً آج کل جس قوالی کا شہرہ ہے اس کے بول یہ ہیں ؎

آنکھ گلابی صلی اللہ کی
اللہ ہی جانے کون بشر ہے

آپ ذرا سوچیے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا کا بیان ہو اور "آنکھ گلابی" اور "نین کٹاری" جیسے مبتذل اور بازاری الفاظ استعمال کیے جائیں! اللہ کی شان دیکھیے کہ اس قوالی کو بڑے بڑے بزعم خود عاشقانِ رسول سنتے ہیں، ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے، قوالوں پر نوٹوں کی بارش ہوتی ہے۔

اس موقع پر ایک بات کی وضاحت اور ہو جائے کہ ہمارے یہاں فلمی گانے، غزل، نظم نعت اور قوالی کو ساز و آواز کے ساتھ پڑھنے کا انداز جدا جدا ہے، لیکن فلمی گانوں کی غیر معمولی مقبولیت کی بنا پر پیشہ ور نعت خواں زیادہ تر فحش و بیہودہ فلمی گانوں کی طرز پر نعتیں پڑھتے ہیں جو بڑی گستاخی کی بات ہے۔ اس کے علاوہ ان نعتوں میں "شرک و مبالغہ کی کافی آمیزش ہوتی ہے۔

اس حقیقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد و محاسن کا بیان ہمارے ایمان کا جز ہے۔ اس لحاظ سے نعت لکھنا، نعت سُننا اور نعت پڑھنا بڑا بابرکت عمل ہے، لیکن عام قسم کی شاعری اور نعتیہ شاعری میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ عام قسم کی شاعری کے لیے ایک میدانِ وسیع موجود ہے آپ اس میں "رگِ گل سے بلبل کے پر باندھیے معشوق کی جدائی میں سر پیٹیے، دل کو کباب کیجیے، اشکوں کو لہو بنائیے، اس کی زلفِ دراز کو کالی گھٹا سے تشبیہ دیجیے لب لعلیں کو لعلِ بدخشاں کہیے، رخسار کو شعلۂ جوالہ لکھیے، حُسنِ تکلم کو کلیوں کا چٹکنا سمجھیے، کسی پر کوئی قید نہیں لیکن نعت لکھتے وقت "با محمدؐ ہوشیار" کے اصول پر عمل کرنا ضروری ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے رسولِ گرامی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے